سورۃ البقرۃ (۲۷)

آیات ۳۸ — ۳۹

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغہ ٗ الاعراب ٗ الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغہ کے لیے ۱ ٗ الاعراب کے لیے ۲ ٗ الرسم کے لیے ۳ ٗ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغہ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ا کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۲۷ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ
هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۸ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ۝۳۹

۲ : ۲۷ : ۱ اللغة

[قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا] یہ ایک مکمل جملہ ہے جس کے تمام اجزاء (قلنا + اهبطوا + منها + جميعًا) پر الگ الگ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ مثلاً "قلنا" جس کا مادہ "ق و ل" اور وزن اصلی "فَعَلْنَا" ہے۔ اس کے باب اور معنی (قال یقول = کہنا) وغیرہ کے علاوہ خود صیغہ "قُلْنَا" کی ساخت اور تعلیل وغیرہ پر البقرہ : ۳۴ یعنی ۲ : ۲۵ : ۱ (۱) میں بات ہو چکی ہے یعنی "ہم نے کہا"۔ "اهبطوا" کے مادہ، باب اور معنی وغیرہ پر ابھی اوپر البقرہ : ۳۶ یعنی ۲ : ۲۶ : ۱ (۱۷) میں بات ہو چکی ہے۔ ترجمہ ہے "تم اتر جاؤ"۔ "مِنْهَا" مِنْ (میں سے / سے) اور ضمیر مجرور "ها" (اس) کا مرکب ہے۔ "جَمِيْعًا" اس پر لغوی بحث البقرہ : ۲۹ یعنی ۲ : ۲۰ : ۱ (۷) میں گزر چکی ہے۔ جس کا ترجمہ "سارے"، "سب کے سب"، "ایک ساتھ" اور "سب ہی" ہو سکتا ہے۔

اس طرح اس فقرے کا لفظی ترجمہ بنتا ہے : "ہم نے کہا اتر جاؤ (تم) اس میں سے سب کے سب"۔ جس کی سلیس اردو "ہم نے کہا کہ تم سب کے سب اس میں سے اتر جاؤ" بنتی ہے۔ بعض مترجمین نے فاعل اللہ تعالیٰ ہونے کی بنا پر "قلنا" کا ترجمہ "ہم نے فرمایا، حکم دیا، حکم فرمایا" کی صورت میں کیا ہے۔ "اهبطوا" کا ترجمہ سب نے "اتر جاؤ" یا "اترو" یا "نیچے اتر جاؤ" سے ہی کیا ہے۔ "مِنْهَا" کا ترجمہ بعض نے "اس سے" ہی کیا ہے تاہم بیشتر مترجمین نے اس کا ترجمہ "یہاں سے" کیا ہے جو ظرفیت کے مفہوم کے لیے اردو محاورہ ہے۔ البتہ جن حضرات نے "بہشت سے / جنت سے" کے ساتھ ترجمہ کیا ہے اسے تفسیری ترجمہ ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ اصل لفظ سے بہر حال ہٹ کر ہے۔ "جَمِيْعًا" کا با محاورہ ترجمہ اکثر نے "سب"، "سارے"، "تم سب"، "سب کے سب" کی صورت میں کیا ہے جو سب ایک مفہوم رکھتے ہیں۔

۲ : ۲۷ : ۱ (۱) [فَإِمَّا] اس کی ابتدائی "فاء (فَ)" تو عاطفہ (بمعنی "پس /

پھر اس کے بعد) ہے اور لفظ " اِمَّا " کی دو صورتیں ہیں:
(۱) کبھی " اِمَّا " شرطیہ ہوتا ہے اس صورت میں یہ دراصل " اِنْ " (حرفِ شرط بمعنی "اگر") اور " مَا " (زائدہ ۔ صرف برائے تاکید) کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اور اس کا ترجمہ " اگر تو ایسا ہو کہ " یا صرف " اگر تو " سے کیا جا سکتا ہے ۔
(۲) کبھی " اِمَّا " حرفِ تفصیل کے طور پر استعمال ہوتا ہے جسے بعض دفعہ " حرفِ استفتاح " بھی کہتے ہیں ۔ یہ " اِمَّا " مرکب نہیں بلکہ ایک اکٹھا مفرد حرف ہے ۔ اور بلحاظ معنی یہ " اَوْ " (یا / یا پھر) کے مترادف ہی ہوتا ہے۔ البتہ یہ " اِمَّا " تکرار کے ساتھ (ایک ہی عبارت میں دو دفعہ) آتا ہے جب کہ " اَوْ " کے استعمال میں تکرار ضروری نہیں ہوتی ـــــ بلحاظ معنی یہ (اِمَّا) " اَوْ " کی طرح کبھی دو چیزوں میں کسی شک کو ظاہر کرتا ہے ـــــ یا دو چیزوں میں سے " تخییر " کے معنی دیتا ہے یعنی " یہ لو یا وہ لو برابر ہے " ـــــ اور کبھی یہ " اباحۃ " یعنی دونوں چیزوں کے جائز ہونے کا مفہوم دیتا ہے ۔ اسی طرح یہ " ابہام " اور " تفصیل " کے معنی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے ۔ ان مختلف صورتوں میں اس کا اردو ترجمہ " یا " ، " یا پھر " ، " شاید کہ یہ یا وہ " ، " چاہو تو یہ یا وہ " ، " ایک صورت (یہ) اور دوسری (یوں) " سے کیا جا سکتا ہے۔

● زیرِ مطالعہ عبارت میں " اِمَّا " شرطیہ ہے اس لیے اس کا اردو ترجمہ " پس اگر تو " ، " اس کے بعد اگر تو " ، " سو اگر " ، " پھر اگر " ہوگا ۔ " اِمَّا " کے بطور حرف تفصیل استعمال ہونے کی مثالیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی۔

<u>۲: ۲۷: ۱ (۲)</u> [يَأْتِيَنَّكُمْ] میں آخری " كُمْ " تو ضمیر منصوب (بمعنی " تم کو " یا " تمہارے پاس ") ہے اور فعل " يَأْتِيَنَّ " کا مادہ " ا ت ی " اور وزن " يَفْعِلَنَّ " ہے ۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد " اَتٰى يَأْتِيْ " (دراصل اَتَيَ يَأْتِيُ) اِتْيَانًا (باب ضرب سے) اور " جَاءَ " کی طرح " ..... کے پاس آنا " کے معنی میں استعمال ہوتا ہے پھر مختلف صلات (مثلاً

علیٰ ، بِ وغیرہ) کے ساتھ اور بغیر کسی صلہ کے بھی بعض دوسرے معنوں کے لیے آتا ہے ۔اس کے استعمال اور معنی پر مزید بحث کے لیے دیکھئے ۲:۱۷:۱(۴)

● زیرِ مطالعہ لفظ " یَأْتِیَنَّ " اس فعل مجرد (اتیٰ یأتی) سے فعل مضارع معروف کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے ۔جس کے آخر پر نون ثقیلہ برائے تاکید لگا ہے جس کی وجہ سے آخری ساکن یاء (جو بنیادی طور پر مضموم تھی) یائے مفتوحہ ہو جاتی ہے جیسے یَضْرِبُ سے یَضْرِبَنَّ ہے (خیال رہے کہ ابتداء میں لام تاکید (لَ) لگائے بغیر بھی نہ صرف مضارع بلکہ امر اور نہی کے آخر پر بھی نون ثقیلہ[1] استعمال ہوتا ہے)۔اگر یہاں حرف شرطیہ " اِن " ہوتا تو یہاں فعل " اِن یأتِکم " یعنی مجزوم ہوتا (بمعنی " اگر وہ تمہارے پاس آئے تو ....) مگر تاکید کے لیے " اِنْ " کے ساتھ " مَا " زائدہ لگنے سے (جس نے " اِنْ " کا عملِ جزم بھی روک دیا ہے) اور پھر مضارع کے بعد " نون ثقیلہ " لگنے سے اب اس میں مطلق شرط (کہ پوری ہو یا نہ ہو) کا امکان نہیں رہا ۔بلکہ ایک طرح سے اس میں " اگر تمہارے پاس آئے یا پہنچے ــــ اور ایسا ضرور ہو گا۔" کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے یعنی " ما " نے " لامِ قسم کا سا کام کیا ہے جو نون ثقیلہ والے

---

[1] عربی زبان میں حرف " ن " متعدد معانی پر دلالت کرتا ہے مثلاً (۱) نون ثقیلہ یا خفیفہ جو تاکید کے لیے فعل مضارع ، امر اور نہی کے بعد لگتا ہے اس سے فعل کے مختلف صیغوں کی شکل میں بھی تبدیلی آتی ہے اور معنی میں بھی (۲) نون الاناث یا نون النسوۃ جو فعل ماضی کے جمع مؤنث غائب اور مضارع کے جمع مؤنث غائب اور حاضر کے آخر میں آتا ہے۔ اور اس پر کسی عامل کا اثر نہیں ہوتا ۔یہی نون النسوۃ ضمائر " ھنّ " ، " کنّ " میں بھی آتا ہے۔ (۳) نون الوقایۃ : جو یائے متکلم منصوب کے شروع میں لگتا ہے ۔ جیسے ضربنی اور اٰتنی میں ہے ۔ (۴) نون اعرابی : جو فعل مضارع کے بعض خاص صیغوں کے آخر پر یا کسی مثنی یا جمع مذکر سالم اسم کے بعد لگتا ہے اور حسب قواعد کہیں گر بھی جاتا ہے ۔ (۵)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مضارع کے شروع میں لگتی ہے۔ اسی لیے بعض مترجمین نے "فاما یا تینّکم" کا ترجمہ "جب بھی تمہارے پاس پہنچے" کیا ہے۔ اور علامہ عبداللہ یوسف علی نے اس کا ترجمہ ــــ "And if , as is sure , comes to you" سے کیا ہے۔ اگرچہ بیشتر مترجمین نے صرف "اگر" سے کام چلایا ہے۔

[مِنِّیْ] جو دراصل "مِن" + نِی (یائے متکلم "ی" مع نونِ وقایہ) کا مرکب ہے۔ یہاں "مِن" ابتدائیہ بمعنی "کی طرف سے" ہے۔ یعنی "میری (ہی) طرف سے" ــــ اور یہاں یہ "ہی" "مِنّی" کی تقدیم کی وجہ سے ہے۔ اس پر مزید بات "الاعراب" میں ہوگی۔

[هُدًى] کا مادہ "ھ د ی" اور وزن اصلی "فُعَلٌ" ہے۔ اس لفظ کی بناوٹ (لغوی ساخت یا تعلیل) پر البقرہ : ۲ یعنی <u>۲ : ۱ : ۱ (۶)</u> میں اور اس مادہ سے فعل (ھدَی یھدِی = رہنمائی کرنا) کے باب معنی اور استعمال پر الفاتحہ: ۶ یعنی <u>۱ : ۵ : ۱ (۱)</u> میں بات ہو چکی ہے۔ اس کا ترجمہ "ہدایت، راہنمائی اور "راہ کی خبر" کی صورت میں کیا جاتا ہے سب کا ایک ہی مفہوم ہے۔

[فَمَنْ] کی "فاء (ف)" عاطفہ (بمعنی پس/پھر/تو پھر) ہے اور "مَن" (وہ جو) موصولہ شرطیہ ہے اور اسی شرط والے مفہوم کی بناء پر "من" میں ایک عموم کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جس کو اردو میں "جو کوئی بھی، جس کسی نے بھی" سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ جسے بعض مترجمین نے "جو کوئی"، "جو شخص"، "جنہوں نے" وغیرہ سے ترجمہ کیا ہے مگر ان میں سے بعض ترجموں میں عموم والی بات نہیں ہے۔

<u>۲ : ۲۷ : ۱ (۳)</u> [تَبِعَ] کا مادہ "ت ب ع" اور وزن "فَعِلَ" ہے اس مادہ سے فعل مجرد "تبِع ..... یَتْبَعُ تَبَعًا" (باب سمع سے) آتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نونِ تنوین : جو صرف تلفظ میں آتا ہے لکھنے میں نہیں آتا جیسے کتابٌ میں ــــ نون کی یہ تمام اقسام بعض صرفی اور نحوی قواعد سے وابستہ ہیں۔ جو حسب موقع ہمارے سامنے آتے رہیں گے۔

اور اس کے بنیادی معنی ہیں : "......کے پیچھے پیچھے چلتے آنا" "......کے پیچھے پیچھے آنا" ۔ اردو میں اس کے لیے فارسی لفظ "پیروی" (جس کے معنی "پاؤں کے پیچھے جانا" ہیں) استعمال کرتے ہوئے ترجمہ "......کی پیروی کرنا بھی کر لیتے ہیں ۔ پھر اس سے بامحاورہ ترجمہ "......کے مطابق عمل کرنا" نکلتا ہے ۔ بعض مترجمین نے لفظ سے قریب رہتے ہوئے اس (تبع) کا ترجمہ "پیرو ہوا ، پر چلا" سے کیا ہے ۔ جب کہ بیشتر نے "مَنْ" (مندرجہ بالا) شرطیہ کی وجہ سے فعل ماضی کا ترجمہ حال یا مستقبل سے کیا ہے یعنی "پیروی کریگا" ، سے کیا ہے اور بعض حضرات نے اس "مَنْ" میں جمع کے معنی بھی موجود ہونے کی بناء پر بصیغۂ جمع ترجمہ کیا ہے یعنی "(جو لوگ) پیروی کریں گے ، ...... پر چلیں گے" کی صورت میں ۔

● یہ فعل (تبع) متعدی ہے اور اس کا مفعول بنفسہٖ (بغیر صلہ کے) فعل کے ساتھ ہی مذکور ہوتا ہے (جیسے یہاں ساتھ "ھُدایَ" ہے) ۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد کے مختلف صیغے کل (۹) جگہ آئے ہیں ۔ اس کے علاوہ مزید فیہ کے بعض ابواب (افتعال اور افعال) سے افعال اور اسماء مشتقہ وغیرہ کے مختلف صیغے بکثرت (۱۶۰ سے زائد جگہ) وارد ہوئے ہیں جن پر حسبِ موقع بات ہوگی ۔ ان شاء اللہ تعالےٰ ۔

[ھُدَایَ] یہ "ھُدًی" (رہنمائی و ہدایت) + "یَ" (ضمیر متکلم مجرور بمعنی "میری") کا مرکب ہے ۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ لفظ "ھُدًی" جب معرف باللام یا مضاف ہو تو وہ "الھدٰی" یا "ھُدٰی" ہو جاتا ہے جس کی آخری "یاء" دراصل الف مقصورہ کا کام دیتی ہے یعنی اسے پڑھا "الھُدَا" اور "ھُدَا" ہی جاتا ہے (دیکھیے ۲:۱:۱(۶) میں) ۔ اسی طرح یائے متکلم مجرور بالاضافہ کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر اس کے مضاف کا آخری حرف الف (ا) ہو ـــــ چاہے وہ تثنیہ مرفوع مضاف ہو کر آرہا ہو

جس کا نون اعرابی گر جائے گا ــ یا اصل لفظ کے آخر پر "الف" آرہا ہو (جو ہمیشہ کسی "و" یا "ی" سے بدل کر بنا ہوتا ہے) تو یائے متکلم ساکن (یْ) کی بجائے مفتوح (یَ) ہو جاتی ہے جیسے "اُختایَ" (میری دو بہنیں) یا "عَصَایَ" (میری لاٹھی) میں ہے۔

یہاں زیر مطالعہ لفظ "ھدایَ" بھی اسی طرح بنا ہے۔ یعنی "ھُدًی" مضاف ہونے کے باعث خفیف ہو کر "ھدا" بنا اور ساتھ یائے متکلم مجرور (بوجہ اضافت) لگی تو "یَ" ہو گئی ــ "ھُدای" کا ترجمہ اکثر نے "میری ہدایت" ہی کیا ہے۔ ایک آدھ نے اس کا ترجمہ "میرا بتایا" یا "میرے بتائے پر" بھی کیا ہے جو اردو محاورے کے لحاظ سے شاید درست ہی ہو مگر بظاہر لفظ سے ہٹ کر ہے۔

۲ : ۲۷ : ۱ (۴) [فَلَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ] اس میں سے "فَلَا" تو "فَ" (پس/تو) اور "لَا" (نہیں ہے/ہوگا) کا مرکب ہے۔

لفظ "خَوْفٌ" کا مادہ "خ و ف" اور وزن "فَعْلٌ" ہے۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد "خاف ... یخافُ (دراصل خوِفَ یخْوَفُ) خوْفًا وخِیفَۃً (باب سمع سے) استعمال ہوتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں: "..... سے ڈرنا، ..... کا ڈر رکھنا"۔ جس میں "کسی اچھی چیز کے چھن جانے یا کسی بری چیز سے واسطہ پڑنے کی امید" کا مفہوم ہوتا ہے۔ اسی سے اس فعل میں "گھبرانا" یا "بچنا" کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

● یہ فعل متعدی ہے اور اس کے استعمال کی متعدد صورتیں ہیں مثلاً (۱) جس شخص یا چیز کا ڈر ہو وہ اس کے ساتھ مفعول بنفسہ (بغیر صلہ کے) آتا ہے جیسے "خافہ" (وہ اس سے ڈرا) یا جیسے خاف عذابَ الآخرۃِ (ھود : ۱۰۳) میں ہے (وہ عذاب آخرت سے ڈرا) (۲) اور جس کی طرف سے کسی چیز کا ڈر ہو تو وہ چیز تو مفعول بنفسہ مگر جس کی طرف سے ڈر ہو اس پر "مِنْ" لگتا ہے جیسے "خافَتْ من بعلھا

نشوزًا " (النساء : ۱۲۷) " اس کو ڈر ہوا اپنے خاوند کی طرف سے سرکشی کا "۔
(۳) اور " علی " کے صلہ کے ساتھ یہ فعل "..... کے بارے میں ڈرنا " کے معنی دیتا ہے ۔ جیسے " خافوا علیهم " (النساء : ۸) میں ہے یعنی " اُن کو ان کے بارے میں ڈر تھا " یا " اِذَا خِفْتِ علیہ (القصص : ۷) جب تو اس کے بارے میں ڈرے تو " میں ہے ۔ (۴) اور کبھی اس کا مفعول " أَنْ " سے شروع ہونے والا ایک جملہ ہوتا ہے جیسے " انی اخافُ ان یقتلونِ " (الشعراء : ۱۴) " مجھے ڈر ہے کہ مجھے مار ڈالیں گے " میں ہے ۔ اور (۵) کبھی فعل (خافَ) کا مفعول محذوف (غیر مذکور) ہوتا ہے جو سیاقِ عبارت سے سمجھا جا سکتا ہے جیسے " لا تَخَفْ ولا تحزَنْ " (العنکبوت : ۳۳) یعنی " تو نہ ڈر نہ غم کر "۔

● یہ فعل (خاف یخاف) قرآن کریم میں مندرجہ بالا تمام صورتوں میں استعمال ہوا ہے اس فعل مجرد سے مختلف صیغے ۸۰ سے زائد جگہ آئے ہیں ۔ اور مزید فیہ کے صرف باب " تفعیل " سے فعل کے مختلف صیغے کل چار جگہ اور باب تفعل سے صرف مصدر ایک جگہ آیا ہے ۔ اس کے علاوہ مختلف مصادر اور اسماء مشتقہ بھی ۳۵ کے قریب مقامات پہ وارد ہوئے ہیں ۔

● لفظ " خوف " اس فعل ثلاثی مجرد کا مصدر بھی ہے اور اس سے ماخوذ ایک اسم بھی ۔ اردو میں اس کا ترجمہ " ڈرنا " بھی ہو سکتا ہے اور " ڈر " بھی ۔ اور خود یہ لفظ (خوف) بھی اپنے اصل عربی معنی کے ساتھ اردو میں متداول ہے اس لیے اس کا ترجمہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی ۔

● زیرِ مطالعہ عبارت کا آخری مرکب " علیهم " " علی " (حرف الجر) اور " ھم " کا مجموعہ ہے اس میں اگر " علی " کے اوپر بیان کردہ " خاف علیہ : اس کے بارے میں ڈرا " (۳) والے معنی سامنے رکھیں تو یہاں " علیهم " کا ترجمہ " ان کے بارے میں " ہو سکتا ہے یعنی " خود ان کو اپنے بارے میں " یا " کسی کو بھی ان کے بارے میں " کوئی ڈر یا خوف نہیں ہوگا ۔ شاید اسی لیے بیشتر مترجمین نے یہاں " علیهم "

کا ترجمہ " ان کو " ہی سے کیا ہے ۔ اگرچہ متعدد حضرات نے لفظی ترجمہ " ان پر " ہی کیا ہے ۔ بعض نے " اسے " کیا ہے جو " ان کو " ہی کی دوسری (اور واحد) شکل ہے ۔ البتہ جن حضرات نے " ان کے لیے " سے ترجمہ کیا ہے تو یہ اصل الفاظ سے بہت دور ہے اور " علیھم " کی بجائے " لَھُمْ " کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے ۔ اور ترجمہ میں " ہوگا " کا مفہوم جملہ کے شرطیہ (جواب شرط) ہونے کے باعث ہے (اس لیے کہ شرط یا جوابِ شرط فعل مستقبل کا تقاضا کرتا ہے ۔ شرط ماضی کے لیے نہیں ہوتی) ـــــ اور یہاں " علیہ " کی بجائے " علیھم " (صیغہ جمع) " مَنْ " (اوپر " مَنْ تبع ھدایَ " والا) موصولہ شرطیہ کے معنی کے لحاظ سے ہے جو جمع کو بھی شامل ہوتا ہے [دیکھئے ۲ : ۶ : ۱ (۱)]

۲ : ۲۷ : ۱ (۵) [وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ] اس کے پہلے حصہ " وَلَاھُمْ " [جو وَ (اور) + لا (نہیں) + ھم (وہ سب) کا مرکب ہے] کا ترجمہ " اور نہ وہ " ہونا چاہئیے مگر " لا " کی تکرار (" لاخوف " اور پھر " لاھم " میں) کی وجہ سے اور پھر " ھم " سے بھی مقدم (پہلے) ہونے کی بنا پر یہاں " لا " کا ترجمہ صرف " نہ " کی بجائے " نہ ہی " اور یوں " وَلَاھُم " کا ترجمہ " اور نہ ہی وہ " ہونا چاہئیے ۔ تاہم ایک دو کے سوا اکثر مترجمین نے یہاں صرف " اور نہ وہ " رہنے دیا ہے ۔ غالباً اس لیے کہ ایک " فَلَا " (پس نہ) پہلے آچکا ہے (فلاخوفٌ میں) ۔ اس طرح دو دفعہ " پس نہ " ...... اور نہ " کی تکرار سے تقریباً وہی مفہوم پیدا ہو جاتا ہے ۔ اور عبارت کے آخری حصہ بلکہ لفظ ـــــ " یَحْزَنُوْنَ " کا مادہ " ح ز ن " اور وزن " یَفْعَلُوْنَ " ہے ۔ اس مادہ سے فعل مجرد دو ابواب سے مختلف مصادر کے ساتھ دو مختلف معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔

● (۱) حَزِنَ یَحْزَنُ حزَنًا " (باب سمع سے) آئے تو یہ فعل لازم ہوتا ہے اور اس کے معنی : " غم کھانا ، غمگین ہونا ، غمناک ہونا ، غمزدہ ہونا یا اداس ہونا " ہوتے ہیں (یعنی " خوش ہونا " کی ضد ہے) اس باب سے " غمگین یا غمزدہ "

کو عربی میں " حَزِنٌ " یا حزین " کہتے ہیں۔ تاہم یہ صفت قرآن میں نہیں آئی۔ البتہ جس کے بارے میں "غم یا افسوس" ہو اگر اس کا ذکر بھی ساتھ کرنا ہو اور وہ کوئی شخص ہو تو اس پر " علی " کا صلہ لگے گا۔ مثلاً کہیں گے " حزِن علیہ (اس نے اس کے بارے میں غم کھایا) ـــ اور اگر وہ باعث غم" کوئی چیز یا بات ہو تو اس پر " لام (ل) " کا صلہ آتا ہے۔ مثلاً کہیں گے " حزِن لِکذا " (وہ فلاں بات پر غمگین ہوا)۔ قرآن کریم میں اس فعل کا استعمال " لام " کے ساتھ کہیں نہیں ہوا۔ البتہ " علی " کے صلہ کے ساتھ یہ فعل چار جگہ آیا ہے ـــ اور قرآن کریم میں بیس سے زائد جگہ یہ فعل " باعثِ غم" کے ذکر کے بغیر ـــــ یعنی " لام (ل) یا علی " کے بغیر ہی آیا ہے۔ اور سببِ غم عبارت (کے سیاق و سباق) سے سمجھا جا سکتا ہے۔

● (۲) حَزَنَ ...... یَحزُنُ حُزْنًا (باب نصر سے) آئے تو یہ فعل متعدی ہوتا ہے۔ اور اس کے معنی "...... کو غمگین کرنا "...... کو اداس کرنا " ہوتے ہیں (یعنی "خوش" کرنا کی ضد)۔ اس صورت میں اس کا مفعول بنفسہٖ (بغیر صلہ کے) آتا ہے جیسے "لَا یَحزُنُھُمُ... (الانبیاء: ۱۰۳) میں ہے۔ (ان کو غمگین نہیں کرے گا......)۔ اس باب سے "غمگین" کے لیے عربی لفظ " مَحزُونٌ " یا " حَزِینٌ " استعمال ہوتا ہے تاہم یہ لفظ بھی قرآن کریم میں نہیں آئے۔ قرآن کریم میں اس باب (نصر) سے (اور ان معنی کے ساتھ) بھی اس فعل کے مختلف صیغے کل نو (۹) جگہ آئے ہیں۔

● کتب لغت میں عام طور پر پہلے (باب سمع سے) کا مصدر "حَزَنٌ " اور دوسرے (باب نصر سے) کا مصدر "حُزنٌ " بتایا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم میں یہ دونوں مصدر استعمال ہوئے ہیں۔ "حَزَن" تین جگہ اور " حُزْنٌ " دو جگہ آیا ہے۔

تاہم چونکہ فعل معروف یا مجہول کا مصدر ایک ہی ہوتا ہے یعنی مصدر میں معروف یا مجہول دونوں کے معنی ہوتے ہیں۔ مثلاً ضَرَبَ یَضرِبُ ضَرْبًا اور ضُرِبَ ، یُضرَبُ ضَرْبًا کہتے ہیں۔ اور " ضَرْب " کے معنی " پیٹنا اور پٹنا " دونوں ہو سکتے ہیں ـــ اسی طرح اگر فعل متعدی (حَزَن یحزُن) کے مصدر " حُزْن " کو مجہول

کے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب "غمگین کیا جانا" ہوگا۔ جو فعل لازم (حزن یحزَن) کے مصدر "حَزَنٌ" (غمگین ہونا) کے ہم معنی ہی ہوگا۔ مصدر کا ترجمہ کرتے وقت عموماً یہ فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔

● بیشتر مترجمین نے اس عبارت (ولا ھم یحزنون) کا ترجمہ "اور نہ وہ غم کھائیں گے" اور بعض نے "نہ وہ غمگین ہی ہوں گے" سے کیا ہے۔ جب کہ بعض نے پوری عبارت (فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون) یعنی ۲:۲۷:۱م (۵)) ملا کر اکٹھا مختصر مگر بامحاورہ ترجمہ "نہ ان کو کچھ ڈر ہوگا نہ کچھ غم" کر دیا ہے جو مفہوم اور محاورہ کے لحاظ سے ایک عمدہ ترجمہ ہے۔

[والذین کفروا] یہ "وَ" (اور) + الذین (وہ لوگ جو) + کفروا (کافر ہوئے) کا مرکب ہے۔ اس کے فعل (کفر یکفر = کفر کرنا) کے معنی اور استعمال پر البقرہ : ۶ یعنی ۲:۵:۱ (۱) میں بات ہو چکی ہے۔

البتہ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اوپر والی آیت (۳۸) میں جو جملہ شرطیہ "مَنْ تَبِعَ ..." سے شروع ہوا تھا اس کے معنیٔ شرط میں مستقبل کے معنوں کا تقاضا موجود ہونے کے باعث —— اور یہ عبارت (والذین کفروا) بھی "وَ" کے ذریعے اسی سے ملائی گئی ہے —— یہاں بھی فعل ماضی کا ترجمہ مستقبل سے ہونا چاہئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بیشتر مترجمین نے یہاں "کفرُوا" کا ترجمہ "کفر کریں گے، نافرمانی کریں گے" سے کیا ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے لفظ (ماضی) سے قریب رہتے ہوئے "کافر ہوئے، منکر ہوئے، قبول نہ کیا" کی صورت میں بھی ترجمہ کیا ہے۔

۲:۲۷:۱ (۶) [وَكَذَّبُوْا] "وَ" (اور) کے بعد فعل "كَذَّبُوْا" ہے۔ اس کا مادہ "ک ذ ب" اور وزن "فَعَّلُوْا" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد (کَذَب یکذِب = جھوٹ بولنا) کے باب، معنی اور استعمال پر البقرہ : ۱۰ یعنی ۲:۸:۱ (۱) میں بات ہوئی تھی۔

زیرِ مطالعہ لفظ (کَذَّبُوْا) اس مادہ سے بابِ تفعیل کے فعل ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ اس باب (تفعیل سے فعل "کَذَّبَ..... یُکَذِّبُ تَکْذِیْبًا" کے ایک معنی ہیں: ..... کو جھٹلانا ..... کو جھوٹ سمجھنا، ..... کو جھوٹ کہنا" بلکہ اردو میں اس فعل کا مصدر (تکذیب) مستعمل ہے اس لیے اس فعل کا ترجمہ "..... کی تکذیب کرنا" بھی کیا جاسکتا ہے (بیشتر مترجمین نے یہاں "جھٹلانا" اور ایک دو نے "تکذیب کرنا" سے ہی ترجمہ کیا ہے)۔

● ان معنوں کے لیے یہ فعل مفعول بنفسہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے جیسے "کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ (ق: ۱۴) میں ہے یعنی "سب نے رسولوں کو جھٹلایا"۔ اور یہ فعل "باء (بِ)" کے صلہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے جیسے "کَذَّبَ بِہٖ قَوْمُکَ" (الانعام: ۶۶) یعنی "تیری قوم نے اسے جھٹلایا" یعنی عربی میں "کَذَّبَہ اور کَذَّبَ بِہٖ" دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ البتہ بعض دفعہ اس (فعل) کا مفعول محذوف کر دیا جاتا ہے جو سیاقِ عبارت سے سمجھا جاسکتا ہے جیسے "فَکَذَّبَ وَعَصٰی" (النازعات: ۲۱) میں ہے۔ قرآن کریم میں اس فعل (کَذَّبَ یُکَذِّبُ) کے مختلف صیغے ۱۷۵ کے قریب مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔ ان میں سو (۱۰۰) سے زیادہ جگہ "باء (بِ)" کے صلہ کے ساتھ، پچاس (۵۰) کے قریب جگہ پر مفعول بنفسہ کے ساتھ اور پچیس (۲۵) کے قریب جگہ پر مفعول غیر مذکور (محذوف) کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔

جوابِ شرط پر معطوف ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ بھی مستقبل کے ساتھ کرنا "یعنی وہ جھٹلائیں گے" سے کرنا مناسب ہے اور بعض مترجمین نے ایسا ہی کیا ہے۔

۲:۲۷:۱(۷) [بِاٰیٰتِنَا] میں ابتدائی "بِ (باء)" تو فعل "کَذَّبُوْا" کے صلہ کے طور پر آیا ہے (یعنی "کَذَّبُوْا بِ..... کا ترجمہ ہے "..... کو جھوٹ سمجھا، ..... کی تکذیب کی) اور آخری "نَا" ("آیاتنا" میں) ضمیر مجرور بمعنی "ہماری" ہے (یعنی "ہماری آیات کو") اس طرح "بِ" اور "نَا" کو نکال کر باقی وضاحت طلب

لفظ "آیاتٌ" بچتا ہے (جو عبارت میں مجرور اور مضاف ہونے کے باعث بصورت "آیاتِ" آیا ہے) یہ لفظ (آیاتٌ) "آیۃً" کی جمع مونث سالم ہے۔

● لفظ "آیۃ" کے مادہ اور وزن کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر کے نزدیک اس کا مادہ "ا ی ی" ہے[1] اگرچہ بعض نے اسے "ا و ی" سے ماخوذ سمجھا ہے[2] اس کے ساتھ اس کے وزنِ اصلی کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) وزنِ اصلی "فَعَلَۃٌ" اور شکل اصلی "أَیَیَۃ" ہے۔ قیاس یہ تھا کہ دوسری "یاء" ماقبل مفتوح کی بنا پر الف میں بدلتی اور یہ "حیاۃ" (ح ی ی سے) اور "نَوَاۃٌ" (ن و ی سے) کی طرح "أَیَاۃ" ہو جاتا کیونکہ جب دو حرفِ علت جمع ہوں تو تعلیل دوسرے میں ہوتی ہے مگر خلافِ قیاس پہلی "یاء" کو (ماقبل مفتوح کی بناء پر ہی) الف میں بدل دیا گیا جیسے "رایۃٌ" بمعنی جھنڈا ("ر ی ی" سے) اور "غَایَۃٌ" بمعنی انتہاء (غ ی ی سے) بنا ہے گویا أَیَیَۃ = آیۃ = آیۃ۔

(۲) وزنِ اصلی "فَعْلَۃ" اور اصلی شکل "أَیْیَۃ" ہے۔ اسے قاعدے کے مطابق "أَیَّۃ" ہونا چاہیئے مگر یہاں بھی خلاف قیاس "یاء" ساکنہ کو (ماقبل مفتوح کی بناء پر) الف میں بدل دیا گیا۔ یا تشدید کو ثقیل سمجھ کر تخفیف کر لی گئی جیسے (مشہور عرب قبیلہ) "طَیِّئٌ" سے اسم نسبت "طائِیٌّ" بنا لیا گیا جو دراصل تو طَیِّئِیٌّ بنتا تھا۔ بہرحال یہ بھی خلافِ قیاس ہی ہے۔

(۳) وزنِ اصلی "فَاعِلَۃ" اور شکلِ اصلی "آیِیَۃ" تھی۔ قیاس یہ چاہتا تھا کہ یہ "آیَّۃ" (دابّۃ کی طرح) ہو جاتا۔ مگر یہاں بھی خلافِ قیاس تخفیف کر دی گئی۔ پہلی "یا" گرا کر)۔

(۴) وزنِ اصلی "فَعَلَۃ" اور شکل اصلی "أَدَیَۃ" تھی (مادہ "ا و ی" سمجھنے کی

---

[1] مثلاً القاموس۔ الوسیط اور Lane [2] مثلاً المنجد۔ البستان

صورت میں) اس صورت میں اسے "أَدَاةٌ" ہونا چاہیئے تھا کیونکہ دو حرفِ علت جمع ہونے کی صورت میں تعلیل دوسرے میں ہوتی ہے (جیسا کہ اوپر ۲ میں بیان ہوا ہے)۔ یہاں بھی خلافِ قیاس پہلے حرف علت "و" کو الف میں بدل دیا گیا۔

(۵) وزن اصلی "فَعِلَةٌ" اور شکل اصلی "أَيِيَةٌ" تھی۔ پہلی "یاء" متحرکہ ماقبل (ھمزۃ) کے مفتوح ہونے کے باعث "الف میں بدل کر لفظ "آیۃ" ہو گیا یعنی أَيِيَة = أَايَة = آيَة" یہ صورت قیاس صرفی سے زیادہ قریب ہے۔

● اس لفظ (آیۃ) کے وزن اور تعلیل کے بارے میں ایک دو اور قول بھی بیان ہوئے اور مندرجہ بالا تمام تعلیلات کے حق میں اور ان کے مخالف دلائل بھی دیئے گئے ہیں۔ جس کا بیان طوالت کے باعث نظر انداز کیا جاتا ہے[1]

● مادہ (ای ی) سے تو فعل مجرد عربی میں استعمال ہی نہیں ہوتا۔ البتہ باب تفعیل سے فعل "أَيَّا يُؤَيِّي تَأْيِيَةً" کوئی نشانی یا علامت برائے پہچان مقرر کرنا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور تفعل اور تفاعل سے بھی مختلف معنی کے لیے فعل آتے ہیں تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی فعل کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔ البتہ اس مادہ (ای ی) سے ماخوذ بعض اسماء اور حروف (مثلاً إِيَّا، أَيٌّ، اور "أَيَّان" قرآن کریم میں بھی وارد ہوئے ہیں۔ اگر اس کا مادہ "ادی" سمجھا جائے (جس پر کئی اعتراض کئے گئے ہیں) تو اس مادہ سے تو فعل مجرد و مزید فیہ قرآن میں بھی استعمال ہوئے ہیں جن پر آگے چل کر بات ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

● اس لفظ (آیۃ) کے بنیادی معنی "علامت یا نشانی" ہیں۔ پھر اس سے اس میں "عبرت، معجزہ اور حکم" کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کی ایک مقررہ عبارت کو (جو عموماً ایک یا چند جملوں پر مشتمل ہوتی ہے اور جس کی مقدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ ہوتی ہے)، بھی آیۃ مندرجہ بالا معنی کے لحاظ سے ہی کہا جاتا ہے۔ اس

---

[1] مزید بحث کے لیے دیکھئے "التبیان" للعکبری ج ۱ ص ۵۶۔ اور "معجم مفردات الإبدال والإعلال" للخراط ص ۴۲ و مابعدھا۔ نیز دیکھیے مفردات راغب تحت مادہ۔

لیے کہ ہر آیت اپنی صداقت کا نشان بھی ہے۔ اس میں انسانوں کے لیے عبرت اور موعظت کا سامان بھی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اور حکم بھی ہے۔ لفظ آیۃ کی کوئی جمع مکسر (آیٌ وغیرہ) قرآن میں نہیں آئی البتہ جمع مؤنث سالم (آیات) بکثرت استعمال ہوئی ہے۔

مندرجہ بالا معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیشتر مترجمین نے یہاں "آیاتنا" کا ترجمہ "ہماری نشانیوں اور ہمارے احکام" ہی کیا ہے۔ بعض نے "ہماری آیتوں" ہی رہنے دیا ہے۔ کیونکہ قرآن کی آیت" والے معنی میں یہ لفظ (آیۃ) اردو میں بااملاء "آیت" متداول ہے۔

۲:۲۷:۱(۸) [اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ] میں "اولٰئک" تو اسم اشارہ بعید بمعنی "وہ سب" ہے۔ مرکب اضافی "اصحاب النار" کے دوسرے جزء (النار=آگ) پر لغوی بحث البقرہ: ۱۷ یعنی ۲:۱۳:۱(۳) میں گزر چکی ہے۔

کلمہ "اصحاب" کا مادہ "ص ح ب" اور وزن "اَفعال" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "صحِب ..... یَصحَب صُحبَۃً" (باب سمع سے) کے بنیادی معنی تو ہیں: "..... کے ساتھ ساتھ رہنا"، "..... کا ساتھی ہونا"۔ یعنی اس میں مسلسل اور مستقل سنگت کا مفہوم ہے۔ پھر اس سے یہ فعل "(کسی سے) قریبی تعلق رکھنا، ..... کے ساتھ وقت گزارنا، ..... کے ہمراہ ہونا یا جانا" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اس مادہ سے مختلف اَفعال کے صیغے تو تین جگہ آئے ہیں۔ البتہ "صاحب"، "اصحاب" اور "صاحبۃ" مفرد و مرکب مختلف صورتوں میں بکثرت وارد ہوئے ہیں۔

● زیر مطالعہ لفظ (اصحاب) جمع مکسر ہے اس کا واحد "صاحب" ہے جو مندرجہ بالا فعل مجرد سے اسم الفاعل ہے۔ اس لحاظ سے اس کے بنیادی معنی "یار" اور "رفیق" ہی ہیں۔ مگر یہ لفظ کبھی "مالک"، "ناظم" اور "حاکم" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں لفظ "صاحب" (بصیغہ مفرد) تو صرف دو جگہ آیا ہے مگر اس

کی جمع " اصحاب " ۷۵ جگہ آئی ہے اور سوائے ایک جگہ (الانعام : ۷۱) کے باقی سب جگہ یہ لفظ (اصحاب) مضاف ہو کر ہی آیا ہے۔ اس لیے اردو میں اس کا ترکیب اضافی کی صورت میں ترجمہ کرتے وقت " اصحاب " کا ترجمہ " ساتھی یا رفیق " وغیرہ کرنے کی بجائے عموماً " والے " کے ساتھ کرنا زیادہ بامحاورہ ہے۔ مثلاً اصحاب الفیل " ہاتھی والے " (الفیل : ۱)، اصحاب القریۃ " بستی والے " (یٰس : ۱۲)، اصحاب القبور " قبروں والے " (الممتحنہ : ۱۳)۔ ان پر اور اس قسم کی دیگر تراکیب پر حسب موقع مزید بحث ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● اس طرح " اصحاب النار " کا ترجمہ عموماً " آگ والے " کیا جاتا ہے اور اس سے مراد " آگ میں رہنے والے " یا " آگ میں ڈالے جانے والے " ہوتے ہیں ـــ اور چونکہ آگ سے مراد " جہنم " (جس کا اردو فارسی ترجمہ لفظ " دوزخ " کی صورت میں معروف ہے) کی آگ ہے ـــ اس لیے " اصحاب النار " کا بامحاورہ اردو ترجمہ " دوزخ والے " یا " دوزخی " کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے اردو مترجمین اس ترکیب کا ترجمہ " دوزخ والے "، " دوزخی "، " دوزخ کے لوگ "، " دوزخ میں جانے والے " اور بعض نے " دوزخ میں رہنے والے " سے کیا ہے

● قرآن کریم میں یہ ترکیب (اصحاب النار) ۱۹ جگہ استعمال ہوئی ہے اور ہر جگہ مندرجہ بالا معنی میں ہی آئی ہے۔ سوائے ایک جگہ (المدثر : ۳۱) کے جہاں " اصحاب النار " (آگ والوں) سے مراد اس آگ پر مقرر کردہ (حاکم اور ناظم) فرشتے ہیں جیسے " جیل والے " سے مراد قیدی بھی ہو سکتے ہیں اور بعض دفعہ جیل کے افسر یا عملہ بھی۔ ایسے معنی عبارت کے سیاق و سباق سے متعین ہوتے ہیں۔ لفظ " النار " کے بلحاظ موقع حقیقی و مجازی اور لغوی و اصطلاحی معنی کے فرق کے لیے کسی اچھی اور مستند تفسیر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ [نیز دیکھئے لغوی بحث البقرہ : ۱۷ یعنی ۲ : ۱۳ : ۱ (۳)]

(باقی صفحہ ۱۶ پر)